ع جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی



اِسلام اور سیاست

- مذہب اور سیاست
- شریعت و سیاست
- مروّجہ سیاست کے شرعی احکام
- اسلام میں جمہوریت کا تصوّر
- غیر اسلامی حکومت کے شرعی احکام
- اسلامی حکومت کا بنیادی اصول شوریٰ
- اسلامی مملکت میں حکومت الٰہیہ
- ووٹ کی اسلامی حیثیت
- ووٹر کی شرعی حیثیت
- عورت کی سربراہی

مجموعۂ افادات

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ

مع رسالہ: حکیم الامت کے سیاسی افکار

از شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(061-4540513-4519240

اِسلام اور سیاست

مجموعہ افادات

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

و دیگر اکابرین

مع رسالہ

حکیم الامت کے سیاسی افکار

از

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

ترتیب جدید

محمد اسحٰق ملتانی

مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 4540513-4519240

اسلام اور سیاست

تاریخ اشاعت.........................ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ

ناشر.........................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت.........................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ...چوک فوارہ...ملتان | مکتبہ رشیدیہ.......راجہ بازار.......راولپنڈی

ادارہ اسلامیات.......انارکلی.......لاہور | یونیورسٹی بک ایجنسی.......خیبر بازار.......پشاور

مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار.......لاہور | ادارۃ الانور.......نیو ٹاؤن.......کراچی نمبر 5

مکتبہ رحمانیہ.......اُردو بازار.......لاہور | مکتبہ المنظور الاسلامیہ...جامعہ حسینیہ...علی پور

مکتبہ المنظور الاسلامیہ.......بلاک زیڈ.......مدینہ ٹاؤن.......بنک موڑ.......فیصل آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

اجمالی فہرست

عورت کی سربراہی

از حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ العالی

عورت کی سربراہی کے متعلق حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحب کی خدمت میں ایک سوال اور حضرت کا جامع جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

مکرم ومحترم جناب حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب مدظلہ العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ناچیز نے آپ کے رسالہ عورت کی سربراہی پڑھا تھا جس سے اس موضوع سے متعلق خلجان دور ہوگیا تھا لیکن آج کے جنگ اخبار مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۳ء میں مولانا کوثر نیازی صاحب نے اس موضوع پر ایک مضمون لکھا ہے جس کو پڑھ کر پھر کچھ پریشانی لاحق ہے، مولانا کوثر نیازی نے جو مثالیں عورتوں کی سربراہی کی رضیہ سلطانہ، چاند بی بی اور شجرۃ الدر کی دی ہیں وہ بے چاری عورتیں بہت ناکام اور مختصر عرصے کے لئے سربراہ رہیں۔ ان کی رقابتیں اور اخلاقی کمزوریاں، تاریخ دانوں کے لئے بہت اندوہ گیں ہیں۔ شیکسپیئر کا قول ان پر صادق آتا ہے "Frailty! Thy name is Woman" "کمزوری! تیرا نام عورت ہے۔" تینوں بری طرح قتل ہوئیں۔ مولانا کوثر نیازی کی زیادہ تر مثالیں اہل کفر کی ملکاؤں کی ہیں جن کی مسلمان معاشرہ پر تطبیق درست نہیں۔

اہل علم حضرات تو چاہے ان کا تعلق علم دین سے ہو چاہے ان کا مطالعہ و مشاہدہ سینکڑوں ممالک کی ہزاروں سال کی تاریخ پر محیط ہو، مولانا کوثر نیازی کی مثالوں کو چندان

گنی چنی دوراز کار مستثنیات کا درجہ دیں گے۔ لیکن ہمارے مسلمان موصوف کی شرح تفسیر و حدیث سے ضرور شبہات کا شکار ہوسکتے ہیں۔ اس لئے آں جناب کا عوام الناس پر بڑا احسان ہوگا کہ اگر آپ مولانا کوثر نیازی صاحب کے فقہی ارشادات کی تصحیح فرماویں۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء ڈاکٹر شہیر الدین کراچی۔

جواب:۔ اس مضمون کا مختصر جواب روز نامہ جنگ کراچی ۶ نومبر ۱۹۹۳ء میں لکھ چکا ہوں۔ مفصل جواب حسب ذیل ہے۔

اس مسئلہ کے اہم ترین پہلو یہ ناکارہ اپنے رسالہ ''عورت کی سربراہی'' میں لکھ چکا ہے۔ اس کا مطالعہ غور و تدبر کے ساتھ ایک بار پھر کر لیجئے۔ انشاء اللہ شکوک و شبہات کا بھوت کبھی قریب نہیں پھٹکے گا اور ہمیشہ کے لئے اس ''آسیب'' سے نجات مل جائے گی۔ تاہم آں جناب کے خط کے حوالے سے مولانا کوثر نیازی کے مضمون پر گفتگو کرنے سے پہلے چند امور کا بطور اصول موضوعہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے۔

پہلا اصول:۔ جوں جوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بُعد ہو رہا ہے اور قرب قیامت کا دور قریب آ رہا ہے اسی رفتار سے فتنوں کی بارش تیز سے تیز تر ہو رہی ہے، ان فتنوں کے طوفان بلاخیز میں سفینہ نجات بس ایک ہی چیز ہے، اور وہ یہ کہ سلف صالحین کی تشریحات کے مطابق کتاب و سنت کا دامن مضبوطی سے تھام لیا جائے اور اس بارے میں ایسی اولوالعزمی اور ایمان کی پختگی کا مظاہرہ کیا جائے کہ فتنوں کی ہزاروں آندھیاں بھی ہمارے ایمان و یقین کو متزلزل نہ کرسکیں، اور کتاب و سنت اور سلف صالحین کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ ''**علیکم بدین العجائز.**''

دوسرا اصول:۔ تمام فقہائے امت جو کتاب و سنت کے فہم میں حجت اور سند کا درجہ رکھتے ہیں اس پر متفق ہیں کہ کسی خاتون خانہ کو سربراہ مملکت بنانا حرام ہے، کیونکہ شرعاً وہ جس طرح نماز کی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتی، جس کو امامت صغریٰ (چھوٹی امامت) کہا جاتا ہے، اسی طرح وہ امامت کبریٰ یعنی ملک کی سربراہی کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی، اگر کوئی مرد عورت کی اقتداء میں نماز ادا کرے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر عورت کو حاکم اعلیٰ بنادیا جائے تو

شرعاً اس کی حکومت لائق تسلیم نہیں ہوگی۔ اس سلسلہ میں اس ناکارہ نے اپنے رسالہ "عورت کی سربراہی" میں اکابر امت کے جو حوالے نقل کئے ہیں ان کو ایک بار پھر ملاحظہ فرمالیجئے۔

تیسرا اصول:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان واجب الاذعان برحق ہے کہ "وہ قوم ہرگز فلاح کو نہیں پہنچے گی جس نے زمام حکومت عورت کے سپرد کردی" اس حدیث شریف کو تمام فقہائے امت اور اکابر ملت نے قبول کیا ہے، امامت وقضا کے مسائل میں اس سے استناد کیا ہے اور اسی پر اپنے اجماع واتفاق کی بنیاد رکھی ہے۔ اور اصول یہ ہے کہ جس حدیث کو تمام فقہائے امت نے قبول کرلیا ہو اور جس پر اجماع امت کی مہر ثبت ہو وہ حجت قاطعہ بن جاتی ہے اور ایسی حدیث کو "حدیث متواتر" کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے امام ابوبکر جصاص رازی احکام القرآن (ص ۳۸۶ جلد اول) میں لکھتے ہیں۔

"جس خبر واحد کو تمام لوگوں نے قبول کرلیا وہ ہمارے نزدیک متواتر کے حکم میں ہے جس کی وجہ ہم کئی جگہ بیان کرچکے ہیں۔

پس ایسی حدیث جو سب کے نزدیک مسلم الثبوت ہو اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی اور نہ امت کے مسلم الثبوت مفہوم کو بدلنے کی۔

چوتھا اصول:۔ دینی مسائل میں اجماع امت مستقل حجت شرعیہ ہے خواہ سند اجماع (یعنی قرآن وحدیث سے اس اجماعی مسئلہ کا ثبوت) ہمیں معلوم نہ ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی، پس اجماعی مسائل "سبیل المومنین" ہیں اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اپنانے کی کسی کے لئے گنجائش نہیں۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے "اور جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اسکو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔ (النساء ۱۱۵)

پس جو شخص اجماع امت کے خلاف کوئی نظریہ پیش کرے اس کا نظریہ لائق التفات نہیں، ہر شخص کو ایسے نظریات سے پناہ مانگنی چاہئے جن کا نتیجہ دنیا میں اہل ایمان کے راستہ سے انحراف اور آخرت میں جہنم ہو۔

پانچواں اصول:۔ دلائل شرع، جن سے شرعی مسائل کا ثبوت پیش کیا جائے، چار ہیں۔
(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع امت (۴) ائمہ مجتہدین کا اجتہاد واستنباط۔ ان چار چیزوں کو چھوڑ کر کسی اور چیز سے شرعی مسائل پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔

چھٹا اصول:۔ اللہ تعالیٰ نے دین قیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور وعدہ خداوندی کے مطابق یہ دین اصولاً وفروعاً الحمدللہ آج تک محفوظ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گا۔ مختلف ادوار میں ابوالفضل اور فیضی جیسے لوگوں نے دین کے مسلمہ مسائل میں نئی راہیں نکالنے کی کوشش کی لیکن الحمدللہ ان کی کوششیں ناکام ہوئیں ورنہ آج تک یہ دین مسخ ہو چکا ہوتا جس طرح پہلی قوموں نے اپنے دین کو مسخ کر دلیا تھا آج بھی جو لوگ دین کے مسلمہ اجماعی مسائل کو بدلنا چاہتے ہیں، اطمینان رکھئے کہ ان کی کوششیں بھی ناکامی سے ہمکنار ہوں گی اور اللہ کا دین انشاء اللہ جوں کا توں محفوظ رہے گا۔

ساتواں اصول:۔ مومن کا کام یہ ہے کہ اگر وہ گناہ سے نہ بچ سکتا ہو تو کم سے کم گناہ تو سمجھے، اور اگر کسی برائی کے خلاف جہاد نہ کر سکتا ہو تو دل سے برائی کو برائی ہی جانے یہ ایمان کا کم سے کم درجہ ہے کسی گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھنا اور کسی برائی کو برائی سمجھنے کے بجائے اس کو بھلائی ثابت کرنے کی کوشش کرنا تقاضائے ایمان کے خلاف ہے اور یہ بڑی خطرناک حالت ہے۔

آٹھواں اصول:۔ جو شخص کسی غلطی میں مبتلا ہو اس کا منشا کبھی تو ناواقفی اور غلط فہمی ہوتی ہے اور کبھی اس کا منشا "جہل مرکب" ہوتا ہے کہ آدمی کسی بات کو ٹھیک سے نہ سمجھتا ہو، مگر اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر وہ اس مسئلہ کو سمجھتا ہے، دوسرے نہیں سمجھتے۔ ان دونوں حالتوں میں چند وجہ سے فرق ہے۔

اول یہ کہ ناواقف آدمی حقیقت کی تلاش وجستجو میں رہتا ہے اور جو شخص جہل مرکب میں مبتلا ہو وہ باطل کو حق سمجھ کر حق کی تلاش سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

دوم یہ کہ ناواقف آدمی کو اگر صحیح مسئلہ بتا دیا جائے تو بصد شکر یہ اس کو قبول کر لیتا ہے۔ لیکن جہل مرکب کا مریض چونکہ اپنے قلب میں قبول حق کی استعداد وصلاحیت نہیں رکھتا اس لئے وہ اپنی غلطی پر متنبہ پر اپنی اصلاح کرنے کی بجائے غلطی کی نشاندہی کرنے والوں پر خفا ہوتا ہے۔

"سو پوچھ لو اہل علم سے، اگر تم کو علم نہیں۔" (النحل ۴۳)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

''جب ان کو علم نہیں تھا تو انہوں نے کسی سے پوچھا کیوں نہیں؟ کیونکہ مرض جہل کا علاج تو پوچھنا ہے۔'' (ابوداؤد ص ۴۹ ج ۱)

لیکن ''جہل مرکب'' ایک لاعلاج بیماری ہے، اس کا علاج نہ لقمان حکیم کے پاس ہے، نہ سقراط و بقراط کے پاس۔ دنیا بھر کے علماء و فضلاء، غوث قطب اور نبی وولی اس کے علاج سے عاجز ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ناواقفی ولاعلمی کا منشا تو غفلت ہے، سوتے کو جگا دینا اور بے علم کو آگاہ کر دینا ممکن ہے جب کہ ''جہل مرکب'' کا منشا کبر ہے، جو شخص ''جہل مرکب'' میں مبتلا ہو، اس کو ''انا ولا غیری'' کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے، وہ اپنے کو عقل کل سمجھتا ہے اور اپنی رائے کے مقابلے میں دنیا بھر کے علماء و عقلاء کو ہیچ سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کو کس دلیل اور کس منطق سے سمجھایا جائے اور کس تدبیر سے اسے حق کی طرف واپس لایا جائے؟

صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر کبر ہو۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو، اس کا جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی کبر ہے؟ فرمایا نہیں یہ تو جمال ہے اللہ تعالیٰ خود صاحب جمال ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں کبر یہ ہے کہ آدمی حق بات کو قبول کرنے سے سرکشی کرے اور دوسروں کو نظر حقارت سے دیکھے۔'' (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۳)

الغرض آدمی کا کسی شرعی مسئلہ میں ناواقفی کی بنا پر چوک جانا کوئی عار کی بات نہیں، بشرطیکہ یہ جذبہ دل میں موجود ہو کہ صحیح مسئلہ اس کے سامنے آئے تو اسے فوراً مان لے گا اور اس کے قبول کرنے سے عار نہیں کرے گا اور جو شخص حق کھل جانے کے باوجود اسکے قبول کرنے سے عار کرتا ہے وہ ''جہل مرکب'' میں مبتلا ہے اور اس کی بیماری لاعلاج ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو اس سے پناہ میں رکھیں۔

ان اصول موضوعہ کے بعد گزارش ہے کہ مولانا کوثر نیازی کو مسئلہ کی صحیح نوعیت کے سمجھنے میں بہت سی غلط فہمیاں ہوئی ہیں اور موصوف نے مذکورہ بالا اصول موضوعہ کی روشنی

میں مسئلہ پر غور نہیں فرمایا اور نہ مسئلہ کے مالہ وما علیہ پر طائرانہ نظر ڈالنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ اگر موصوف نے سلامتی فکر کے ساتھ اس مسئلہ کی گہرائی میں اتر کر اس پر غور وفکر کیا ہوتا تو مجھے توقع تھی کہ ان کو غلط فہمیاں نہ ہوتیں۔

اس ناکارہ کا منصب نہیں کہ ان کی خدمت میں کچھ عرض کرنے کی گستاخی کرے اور ان کی بارگاہ عالی میں شنوائی ہو کیونکہ وہ آشیان اقتدار کے مکین، وزیراعظم کے مشیر و ہمنشین اور صاحب سخنہائے دل نشین ہیں اور ادھر یہ ناکارہ فقیر بے نوا، زاویہ خمول کا گدا اور صاحب نالہ ہائے نارسا ہے۔

کب وہ سنتا ہے کہانی میری　　　اور پھر وہ بھی زبانی میری؟

لیکن بزرگوں کا ارشاد ہے:

گاہ باشد کہ کودک نادان　　　بہ غلط برہدف زند تیرے

اس لئے اپنے فہم نارسا کے مطابق کچھ عرض کرتا ہوں کہ صاحب موصوف کی بارگاہ میں شرف قبول پائے تو زہے سعادت ورنہ:

حافظ وظیفہ تو دعا گفتن است وبس　　　دربند آں مباش کہ نشنید یا شنید

بہرحال مولانا موصوف کو مسئلہ کی صحیح نوعیت کے سمجھنے میں جو مغالطے ہوئے یہ ناکارہ ان کو ایک ایک کر کے ذکر کرتا ہے۔ اور نتائج کا فیصلہ خود ان کے فہم انصاف پر اور اگر وہ داد انصاف نہ دیں تو اللہ تعالیٰ کی عدالت پر چھوڑتا ہوں۔

مولانا موصوف اپنے مضمون کی تمہید اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۱۹۶۴ء میں صدر ایوب خاں اور محترمہ فاطمہ جناح کے درمیان صدارتی انتخاب کا معرکہ برپا ہوا تو صدر ایوب کے حامی بہت سے علمائے کرام نے یہ فتویٰ جاری کیا کہ عورت کا صدر مملکت بننا حرام ہے، اس لئے محترمہ فاطمہ جناح کو ووٹ دینا جائز نہیں، اس پر میں نے جامع مسجد شاہ عالم مارکیٹ لاہور میں خطبہ دیتے ہوئے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی جو بعد میں ہفت روزہ ''شہاب'' لاہور میں شائع ہونے کے علاوہ ایک کتابچہ کی صورت میں بھی چھاپ دی گئی تھی، بعد میں پشتو اور سندھی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوئے اور یہ کتابچہ

لاکھوں کی تعداد میں ملک بھر میں پھیل گیا۔ میں نے اپنے اس خطبہ میں قرآن وحدیث اور تاریخ کے حوالوں سے علمائے کرام کے مذکورہ بالا فتوے کی ''مدلل تردید'' کی تھی۔ مزید تفصیل کے لئے رسالہ ''عورت کی سربراہی'' از مولانا یوسف لدھیانوی ملاحظہ فرمائیں۔

چند شبہات کا جواب

گذشتہ سطور میں ہم نے قرآن وحدیث اور ائمہ دین کے حوالوں سے واضح کیا ہے کہ عورت سربراہ حکومت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں بعض حضرات کی تحریروں میں اس سلسلہ میں چند شبہات کا اظہار کیا گیا ہے، مناسب ہوگا کہ علمی انداز میں ان پر بھی غور کرلیا جائے۔

الرجال قوامون علی النساء پر شبہ

بعض حضرات سے آیت کریمہ **الرجال قوامون علی النساء** (النساء ۳۴) کے بارے میں فرمایا کہ یہ آیت صرف ازدواجی زندگی اور تدبیر منزل (گھریلو مسائل) کے بارے میں ہے، امور مملکت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے اخراجات کی ذمہ داری اس کے شوہر پر ہے۔ شوہر کے اخراجات کا ذمہ عورت پر نہیں۔ اس کی وجہ عورت کو مرد سے وفادار رہنا چاہئے۔

ان حضرات نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ جب ازدواجی زندگی اور تدبیر منزل میں قرآن کریم نے مرد کو نگران اور حاکم اور عورت کو اس کے تابع اور مطیع قرار دیا ہے تو امور مملکت میں قرآن کریم عورت کو حاکم اور مردوں کو اس کا مطیع وفرمانبردار کیسے قرار دے سکتا ہے؟ اس نکتہ کی وضاحت یہ ہے کہ مرد وعورت، شریعت کے مقرر کردہ دستور کے مطابق ازدواجی رشتہ میں منسلک ہوتے ہیں تو اس سے ایک ''گھر'' وجود میں آتا ہے یہ انسانی تمدن کا پہلا زینہ ہے۔ یہیں سے تدبیر منزل (گھریلو مسائل) کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر چند گھروں سے مل کر ایک بستی آباد ہوجاتی ہے اور یہاں سے ''سیاست مدینہ'' کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ انسانی تمدن کا گویا دوسرا زینہ ہے۔ پھر چند شہروں کے مجموعہ سے ایک ملک وجود میں آتا ہے اور اس سے ''امور مملکت'' کی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ یہ انسانی تمدن کا تیسرا مرحلہ ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی تمدن کے پہلے قدم اور پہلے مرحلہ پر ہی قرآن حکیم اعلان کر دیتا ہے، **الرجال قوامون علی النساء** گویا قرآن کریم کی نظر میں انسانی تمدن کے پہلے مرحلہ کا فطری نظام یہ ہے کہ مرد حاکم ہو اور عورت اس کی مطیع و فرمانبردار ہو۔ اس کے برعکس اگر عورت حاکم اور مرد اس کا مطیع و فرمانبردار ہو تو یہ نظام قرآن کریم کی نظر میں غیر صالح اور خلاف فطرت ہوگا۔ اب غور فرمائیے کہ جب تمدن کی پہلی اکائی اور اولین قدم پر عورت حاکمیت کی صلاحیت نہیں رکھتی تو تمدن کے آخری زینہ (ملکی سیاست) میں عورت کی حاکمیت کا مقام قرآن کریم کی نظر میں کیا ہوگا۔ آپ اسے مختصر الفاظ میں یوں تعبیر کر لیجئے کہ قرآن کریم جب ایک چھوٹے سے گھر میں (جس کی ابتدائی تشکیل صرف دو افراد سے ہوتی ہے) عورت کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتا تو کروڑوں انسانوں کی آبادی کے ملک میں عورت کی حاکمیت کو کیسے تسلیم کر سکتا ہے؟

اور پھر ان حضرات نے اس پر بھی غور نہیں فرمایا کہ عائلی زندگی میں مرد کی حاکمیت کا اعلان کرتے ہوئے قرآن کریم نے اس کی پہلی وجہ مرد کی فضیلت قرار دی۔ **بما فضل اللہ بعضھم علی بعض** اس توجیہ و تعلیل میں صراحت کر دی گئی ہے کہ مرد کی حاکمیت کا اصل سبب اس کی فضیلت ہے۔ لہٰذا جو معاشرہ مردوں اور عورتوں کے مجموعہ پر مشتمل ہو (جس کی بالکل ابتدائی شکل تدبیر منزل ہے اور اس کی آخری شکل سیاست ملکیہ ہے (اس میں مرد بوجہ اپنی فضیلت کے حاکم ہوگا اور عورت اس کے تابع فرمان ہوگی) **فالصٰلحٰت قنتٰت** الآیہ۔

اور مرد کی حاکمیت کا دوسرا سبب یہ بیان فرمایا ہے کہ مردوں پر عورتوں کے مہر اور نان و نفقہ کی ذمہ داری ہے، عورتوں پر مردوں کے نان و نفقہ کے ذمہ داری تو کیا ہوتی خود ان کے اپنے نان و نفقہ کی ذمہ داری بھی ان پر نہیں ڈالی گئی، ایسا کیوں کیا گیا؟ اس لئے کہ کسب معاش کے لئے گھر سے باہر جانے اور کھلے بندوں پھرنے کی ضرورت ہے، اس کی صلاحیت صرف مرد رکھتا ہے، عورت اپنی صنفی خصوصیات کی بنا پر اس کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس لئے قرآن کریم ان کے نان و نفقہ کی ذمہ داری مردوں کے کندھوں پر ڈال کر خود ان پر گھر میں رہنے اور حجاب و تستر اختیار کرنے کی پابندی عائد کر دیتا ہے۔

"**وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولی.**" (الاحزاب ۳۳)

''اورتم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو۔'' (ترجمہ: حضرت تھانویؒ)

اب انصاف فرمائیے کہ جو قرآن گھر میں عورت کو حکمران تسلیم نہیں کرتا جو مرد کی فضیلت کا حوالہ دے کر اس کی حاکمیت کا اعلان کرتا ہے جو عورت کے نان ونفقہ کا بار مرد پر ڈال کر عورت پر حجاب وستر اور گھر میں جم کر بیٹھنے کی پابندی عائد کرتا ہے، کیا یہ عقل ودانش کی بات ہوگی کہ وہی قرآن عورت کو ملک کی حاکم اعلیٰ بن کر سب کے سامنے بے حجابانہ گھومنے پھرنے اور ساری دنیا کے لوگوں سے ملاقاتیں کرنے کی اجازت دے؟

الغرض آیت کریمہ مرد کی قوامیت کا اعلان کرتے ہوئے عورت کی حکومت وولایت کی نفی کرتی ہے، اکابر امت نے آیت کا یہی مفہوم سمجھا ہے جیسا کہ متعدد اکابر مفسرین کے حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔ یہاں حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ کی کتاب احکام القرآن کا حوالہ مزید پیش کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"القوام والقيم واحد والقوام ابلغ وهو القائم بالمصالح والتدبير والتاديب وعلل ذالک بامرين وهبى وكسبى فقال "بما فضل الله بعضهم على بعض" يعنى فضل الرجال على النساء فى اصل الخلقه وكمال العقل وحسن التدبير وبسطة فى العلم والجسم ومزيد القوة فى الاعمال وعلوالا ستعداد. ولذالک خصوا بالنبوة والامامة والقضاء والشهادة فى الحدود والقصاص وغير هما ووجوب الجهاد والجمعة والعيدين والاذان والخطبة والجماعة وزيادة السهم فى الارث ومالكيته النكاح وتعدد المنكوحات والاستبداد بالطلاق وكمال الصوم والصلوٰة من غير فتور وغيره ذالک، وهذا امروهبى ثم قال وبما انفقوا من اموالهم فى نكاحهن من المهور والنفقات الراتبة وهذا امر كسبى." (احکام القرآن ج ۲، ص ۱۷۶)

''قوام اور قیم کے ایک ہی معنی ہیں اور قوام زیادہ بلیغ ہے قوام وہ ہے جو کسی کے مصالح،

تدبیر اور تادیب کا ذمہ دار ہو۔ ''مرد عورتوں کے قوام ہیں'' اس کی دو وجہیں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک وہبی اور دوسری کسبی چنانچہ فرمایا ''اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو فضیلت دی ہے اصل خلقت میں، کمال عقل میں، حسن تدبیر میں، علم و جسم کی فراخی میں، اعمال کی مزید قوت میں اور استعداد کی بلندی میں اسی بناء پر درج ذیل امور مردوں سے مخصوص ہیں، نبوت، امامت، قضا حدود و قصاص وغیرہ پر شہادت دینا، وجوب جہاد، جمعہ، عیدین، اذان، خطبہ، جماعت، وراثت میں زیادہ حصہ ملنا، نکاح کا مالک ہونا، ایک سے زیادہ نکاح کرنا، طلاق دینے کا اختیار، بغیر وقفہ کے نماز روزہ کا پورا کرنا وغیرہ ذالک۔ اور یہ امر وہبی ہے۔ پھر فرمایا ''اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔'' یعنی نکاح میں مہر اور نان و نفقہ مردوں پر لازم ہے اور یہ کسبی امر ہے۔''

اگر کسی کو قرآن کریم کو اپنے خود ساختہ معنی و مفہوم پہنانے اور خود ہی اپنے ذہنی خیالات کو قرآن کریم سے اگلوانے کی ضد ہو اس کا مرض تو لاعلاج ہے ورنہ قرآن کریم کا بالکل سیدھا سادھا مفہوم سامنے رکھئے اور پھر بتایئے کہ کیا قرآن مردوں پر عورت کی حاکمیت کا اعلان کرتا ہے یا اس کے برعکس اس کا اعلان یہ ہے کہ ''مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔''

واقعہ یہ ہے کہ قران کریم نے معاشرہ میں مرد و عورت کے مقام و منصب کا جو تعین کیا ہے، اور خواتین کے بارے میں نکاح، طلاق عدت اور ستر و حجاب کے جو تفصیلی احکام دیئے ہیں اگر کوئی شخص ان سے واقف بھی ہے اور ان پر ایمان بھی رکھتا ہے تو اسے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ قرآن کریم کی خصوصی ہدایات کی روشنی میں عورت کے سربراہ مملکت و سربراہ حکومت بننے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہاں! جو شخص احکام و ہدایات سے واقفیت ہی نہ ہو وہ بے چارہ اپنے جہل کی وجہ سے معذور ہے۔

''لن یفلح قوم ولوا امرہم امراۃ'' پر شبہات

ا:۔ کیا یہ حدیث موضوع ہے؟

بعض حضرات نے حدیث نبوی ﷺ ''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے

حکومت عورت کے سپرد کردی۔'' کو موضوع قرار دینے کی کوشش کی ہے، ان حضرات پر اس حبشی کی حکایت صادق آتی ہے جسے راستہ میں کہیں آئینہ پڑا ہوا مل گیا۔ اسے اٹھایا تو اپنی مکروہ شکل نظر آئی اسے پتھر پر مار کر توڑ دیا اور کہا کہ تو ایسا ہی بدشکل تھا تبھی تو تجھے کسی نے یہاں پھینک دیا۔ ان حضرات کو بھی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ میں اپنی شکل بھیانک نظر آئی تو انہوں نے اس حدیث کو ہی مجروح کرنے کی کوشش کی یہ حدیث نہ موضوع ہے نہ کمزور، بلکہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔ اس حدیث کے لئے درج ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیے۔

☆ صحیح بخاری جلد ص ۶۳۷ (باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسری وقیصر۔ جلد ۲ ص ۱۰۵۲، باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر)

☆ نسائی جلد ۲ ص ۳۰۴ (باب النہی عن استعمال النساء فی الحکم)

☆ ترمذی جلد ۲ ص ۵۱ (قبیل ابواب الرؤیا)

☆ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۱۹

☆ سنن کبری للبیہقی جلد ۳ ص ۹۰ باب لایاتم رجل بامراۃ جلد ۱۰ ص ۱۱۸ باب لا یولی الوالی امراۃ الخ)

☆ مسند احمد جلد ۵ ص ۳۸، ۴۳، ۴۷، ۵۱۔

اس حدیث کا صحیح بخاری میں ہونا ہی اس کی صحت کی کافی ضمانت ہے امام حاکمؒ اس کو نقل کر کے ''صحیح علی شرط الشیخین'' فرماتے ہیں۔ اور امام ذہبیؒ تلخیص مستدرک میں اس کو صحیح علیٰ شرط الشیخین تسلیم کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس حدیث کو بے شمار ائمہ حدیث اور فقہائے امت نے نقل کیا، اس سے اہم ترین مسائل کا استخراج کیا ہے مگر کسی نے کبھی یہ بحث نہیں اٹھائی کہ یہ حدیث صحیح بھی ہے یا نہیں؟ آج اس حدیث کی صحت کے بارے میں وہ لوگ شک وشبہ کا اظہار کرتے ہیں، جو ابوبکر اور ابوبکرہ کے درمیان فرق نہیں کر سکتے اور یہ محض اس لئے کہ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خواہش نفس کے خلاف ہے، اسی مضمون کی دوسری حدیث مستدرک حاکم (جلد ۴ ص ۲۹۱) میں ہے:

''عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتاہ بشیر یبشرہ بظفر خیل لہ وراسہ فی حجر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنها، فقام، فخرلله تعالیٰ ساجداً فلما انصرف انشاء یسال الرسول، فحدثه، فکان فیما حدثه من امر العدو: وکانت تلیهم امراة فقال النبی صلی الله علیه وسلم هلکت الرجال حین اطاعت النساء."

(قال الحاکم هذا صحیح الاسناد ولم یخرجاه واقره الذهبی)

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قاصد اس لشکر کی کامیابی کی خوشخبری لے کر آیا جو آپ نے کسی مہم پر بھیجا تھا۔اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا۔آپ اٹھے اور خوشخبری سن کر سجدہ شکر بجالائے۔سجدہ سے اٹھے تو قاصد سے حالات دریافت فرمانے لگے۔اس نے دشمن کے حالات بتاتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ ان کی حکمران ایک عورت تھی، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہلاک ہوگئے مرد جب انہوں نے عورتوں کی ماتحتی قبول کرلی۔''

امام حاکم اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، امام ذہبی حاکم کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

۲:۔کیا ابوبکر بن العربی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے:

ایک صاحب نے تو اس حدیث کو موضوع ثابت کرنے کے لئے ایک بہت بڑے فقیہ و محدث قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے اپنی کتاب کا حوالہ بھی دے ڈالا، وہ لکھتے ہیں:

''علامہ ابوبکر ابن العربی نے اپنی کتاب ''عواصم القواصم'' میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی احتجاجی مہم کو ان کا غلط فیصلہ ثابت کرنے کے لئے یہ حدیث وضع کی گئی۔'' (روزنامہ جنگ کراچی ص ۷، ۲۴ دسمبر ۸۸ء)

جن حضرات نے قاضی ابو العربیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) کی ''العواصم من القواصم'' کا مطالعہ کیا ہے انہیں معلوم ہوگا کہ اس پوری کتاب میں زیر بحث حدیث کا کہیں ذکر نہیں آیا اور جس حدیث کا کتاب میں ذکر ہی نہ آیا ہو اس پر کلام کرنے یا اس کو موضوع و مجروح قرار دینے کا کیا سوال؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قصہ میں قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے حدیث جواب کو ذکر کر کے اس کے بارے میں لکھا ہے؟

''واما الذی ذکرتم من الشهادة علی ماالحواب، فقدبوتم فی ذکرها باعظم حوب، ماکان قط شیٔ مما ذکرتم، ولا قالی النبی صلی الله علیه وسلم ذالک الحدیث.'' (العواصم من القواصم ص ۱۶۱)

''اور یہ جو تم نے ماحواب'' پر شہادت کا ذکر کیا ہے، اس کو ذکر کر کے تم نے سب سے بڑے گناہ (جھوٹی شہادت) کا ارتکاب کیا ہے، جو واقعہ تم نے ذکر کیا ہے وہ کبھی ہوا ہی نہیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث کبھی ارشاد فرمائی۔''

مضمون نگار کی اس خیانت و بددیانتی اور بہتان طرازی کی داد دیجئے کہ محض جھوٹا اور صریح غلط حوالہ دے کر ایک صحیح حدیث کو (نعوذ باللہ'' موضوع ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مضمون نگار نے صحیح حدیث کو رد کرنے کے لئے قاضی ابوبکر بن العربی پر جو بہتان باندھا ہے اس کی تردید کے لئے خود قاضی ابوبکر کی اپنی تصریحات کافی ہیں قاضی ابوبکر العربی اپنی کتاب احکام القرآن میں سورۃ النمل کی آیت ۲۳ کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

''فیها ثلاث مسائل...... المساله الثالثة: روی فی الصحیح عن النبی صلی الله علیه وسلم قال حین بلغه ان کسری لمامات ولی قومه ابنته ''لن یفلح قوم ولو امرهم امراة'' ...... وهذا نص فی ان المراة لاتکون خلیفة ولا خلاف فیه.'' القرآن ج ۳، ص ۱۴۵۷)

''اس آیت میں تین مسئلے ہیں...... تیسرا مسئلہ: صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ کسریٰ کے مرنے پر اس کی قوم نے حکومت اس کی بیٹی کے حوالے کردی تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے سپرد کردی۔'' اور یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ کی نص صریح ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہوسکتی اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔'' اور شرح ترمذی میں قاضی ابوبکر ابن العربی لکھتے ہیں۔

''ذکر عن ابی بکرة قول النبی صلی الله علیه وسلم : ''لن یفلح قوم ولوا امرهم امراة'' (العارضه) هذا یدل ان الولایه للرجال، لیس لنساء فیها مدخل بالاجماع.'' (عارضته الاحوذی بشرح صحیح الترمذی جلد ۹ ص ۱۱۹)

''امام ترمذی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے سپرد کردی۔'' یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس اجماعی مسئلہ کی دلیل ہے کہ حکومت مردوں کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔''

آپ دیکھ رہے ہیں کہ دونوں کتابوں میں قاضی ابوبکر ابن العربی اس مسئلہ پر اجماع نقل کررہے ہیں کہ عورت، حکومت کی سربراہ نہیں بن سکتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکور الصدر ارشاد کو اس کی دلیل اور نص صریح قرار دے رہے ہیں۔

کیا یہ حدیث عمومی حکم نہیں رکھتی؟

انہی مضمون نگار صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے:

''علاوہ ازیں یہ حدیث ایک خاص واقعہ سے تعلق رکھتی ہے اس سے عمومی حکم ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔''

کس آیت اور حدیث سے عمومی حکم ثابت ہوتا ہے اور کس سے نہیں؟ اس کو ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت بہتر سمجھتے ہیں۔ ہم جیسے لوگ جو قاضی ابوبکر ابن العربیؒ کی کتاب کے نام کی املا صحیح نہیں لکھ سکتے اور ''العواصم من القواصم'' کی جگہ ''عواصم القواصم'' لکھ جاتے ہیں اور جو ''ابن عربی'' اور ابن العربی'' کے درمیان فرق نہیں جانتے وہ کسی آیت یا حدیث کے عموم و خصوص کا فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں۔ اور اگر ہم اپنی ذاتی خواہش پر ایسے فیصلے صادر بھی کریں تو ہمارے علم وفہم اور ہماری دیانت و امانت کے پیش نظر ایسے فیصلوں کی کیا قیمت ہوگی؟ اہل علم اس سے خوب واقف ہیں۔ تعجب ہے کہ جو شخص ایک حوالہ بھی صحیح نقل نہیں کرتا، اور جو کتاب اور مصنف کے نام تک غلط لکھتا ہے وہ (تمام ائمہ فقہاء کے علی الرغم) حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اجتہاد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ حکم عام نہیں بلکہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے۔

حالانکہ بہت موٹی سی بات ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حدیث میں صرف اہل ایران کے عدم فلاح کو بیان کرنا ہوتا تو اس کے لئے ایک لفظ کافی تھا یعنی ''لن یفلحوا (کہ یہ لوگ کبھی فلاح نہیں پائیں گے) اس چھوٹے سے مضمون کو ادا کرنے کے لئے

اتنا طویل فقرہ استعمال نہ فرمایا جاتا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اس حدیث میں ''قوم'' کا لفظ نکرہ ہے جو سیاق نفی میں واقع ہے اور یہ قطعی عموم کا فائدہ دیا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اول سے آخر تک تمام اہل علم نے اس حدیث سے بالاجماع یہ سمجھا ہے کہ یہ حکم عام ہے اور یہ کہ اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں یہ طے شدہ امر ہے کہ عورت حکومت کی سربراہ نہیں بن سکتی۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ ''اس میں عمومی حکم نہیں بلکہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے'' ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خواہش کے مطابق ڈھالنے کی کوشش ہے، جسے کسی بھی طرح مستحسن نہیں کیا جاسکتا۔

کیا خبر واحد حلال وحرام میں حجت نہیں؟

یہی صاحب اپنے مضمون میں مزید لکھتے ہیں:

علاوہ ازیں یہ حدیث خبر واحد ہے۔ متواتر یا مشہور حدیث نہیں، خبر واحد سے حلال و حرام کا کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا۔ زیادہ سے زیادہ کسی عمل کو مکروہ ثابت کیا جاسکتا ہے لیکن مکروہ اور جائز ایک دوسرے کے قریب ہیں۔''

اس عبارت میں تین دعوے ہیں اور تینوں غلط ہیں۔ موصوف کا یہ دعویٰ کہ حدیث خبر واحد ہے متواتر یا مشہور حدیث نہیں۔'' اس لئے غلط ہے کہ اس حدیث کے مضمون پر امت کا اجماع ہے۔ جیسا کہ امام قرطبیؒ ابوبکر ابن العربیؒ علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ اور دیگر اکابر کی تصریحات سے معلوم ہو چکا ہے اور جس حدیث پر امت کا اجماع ہو اور امت نے اسے بالاتفاق قبول کیا ہو وہ حدیث حجت قطعیہ بن جاتی ہے اور اسے تواتر معنوی کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر جصاصؒ اپنی بے نظیر کتاب ''احکام القرآن'' میں ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد استعملت الامه هذين الحديثين فى نقصان العدة وان كان وروده من طريق الاحادفصار فى حيز التواتر لان ماتلقاه الناس بالقبول من اخبار الا حاد فهو عندنا فى معنى المتواتر لما بيناه فى مواضع.'' (احكام القرآن جلد ١ ص ٣٨٦)

''امت نے نقصان عدت کے مسئلہ میں ان دونوں حدیثوں سے استدلال کیا ہے، اگرچہ یہ

حدیث خبر واحد کے طریق سے وارد ہوئی ہے لیکن یہ متواتر کے درجہ میں ہے کیونکہ جس خبر واحد کو تمام لوگوں نے قبول کیا ہو وہ ہمارے نزدیک متواتر کے حکم میں ہے جس کی وجہ ہم کئی جگہ بیان کر چکے ہیں۔"

علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ جب خبر واحد کے حکم پر اجماع ہو جائے تو حکم قطعی ہو جاتا ہے اور اس حدیث کے ثبوت و عدم ثبوت کی بحث ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحلیم لکھنوی نورالانوار کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"وفائدة الاجماع بعد وجود السند سقوط البحث وصيرة الحكم قطعيا." (حاشیہ نورالانوار ص ۲۲۲)

"اور سند اجماع کے وجود کے بعد اجماع کا فائدہ یہ ہے کہ بحث ختم ہو جاتی ہے اور وہ حکم قطعی ہو جاتا ہے۔"

شیخ یحییٰ ہارون مصری، شرح منار لابن ملک کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"وفائدة الاجماع بعد وجود السند سقوط البحث عن الدليل وحرمه المخالفه وضرورة كون الحكم قطعيا." (شرح المنار و حواث من الاصول جلد ۲ ص ۷۴۵)

"اور سند اجماع کے بعد اجماع کا فائدہ یہ ہے کہ دلیل کے بارے میں بحث ختم ہو جاتی ہے، اس کی مخالفت حرام ہو جاتی ہے، اور حکم بدیہی طور پر قطعی ہو جاتا ہے۔"

اوپر گزر چکا ہے کہ حدیث نبوی لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ کو تمام علمائے امت اور ائمہ دین نے قبول کیا ہے اور اس سے استدلال کرتے ہوئے بالاتفاق یہ فیصلہ دیا ہے کہ عورت حکومت کی سربراہ نہیں بن سکتی جس طرح نماز میں مردوں کی امام نہیں بن سکتی پس جب یہ حدیث تمام اہل علم اور ائمہ دین کے اجماع کی سند ہے تو اس کو خبر واحد کہہ کر رد کر دینا ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے ساتھ ناروا گستاخی ہے اور دوسری طرف تمام ائمہ دین کے اجماع کو باطل قرار دینا ہے۔ امام فخر الاسلام بزدویؒ فرماتے ہیں:

ومن انكر الاجماع فقد ابطل الدين كله لان مدار اصول الدين كلها ومرجعها الى اجماع المسلمين." (اصول بزودی ص ۲۴۷)

''اور جس شخص نے اجماع کا انکار کر دیا اس نے پورے دین کو باطل کر دیا کیونکہ دین کے تمام اصول کا مدار و مرجع مسلمانوں کا اجماع ہی ہے۔''

مضمون نگار کا یہ دعویٰ کہ ''خبر واحد سے حلال و حرام کا کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا'' قطعاً غلط اور مہمل ہے۔ جس شخص کو دین کی معمولی سوجھ بوجھ بھی ہو وہ جانتا ہے کہ دین اسلام کے بے شمار مسائل اخبار آحاد ہی سے لئے گئے ہیں۔ موصوف کے نظریے سے یہ تمام مسائل باطل قرار پائیں گے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے بقول:

''ایں اعتقاد نکند مگر جاہلے کہ از جہل خود بے خبر است یا زندیقے کہ مقصودش ابطال شطر دین است۔'' (مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۵۵)

خبر واحد کا جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں حجت ہونا اہل حق اور ائمہ ہدیٰ کا مسلمہ اصول ہے علم اصول کے مبتدی طلبہ کو بھی یہ فقرہ یاد ہوگا:

"خبر الواحد یوجب العمل لا العلم."

''خبر واحد عمل کو واجب کرتی ہے۔ یقین کا فائدہ نہیں دیتی''۔

مضمون نگار کا تعلق اگر منکرین حدیث سے نہیں تو انہیں غلط سلط اصول گھڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو رد کرنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئے تھی۔

موصوف کا تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ ''مکروہ اور جائز ایک دوسرے کے قریب ہیں۔'' یہ بھی غلط اور مغالطہ آمیز ہے۔ کیونکہ مکروہ کا لفظ کبھی حرام کے لئے بولا جاتا ہے، کبھی مکروہ تحریمی کے لئے اور کبھی مکروہ تنزیہی کے لئے۔ مکروہ تحریمی حرام کے قریب ہے اور مکروہ تنزیہی جائز کے قریب ہے۔ علامہ شامیؒ مکروہات وضو کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"(قوله ومكروهه) هو ضد المحبوب، قديطلق على الحرام كقول القدوری فی مختصره: ومن صلى الظهر فی منزله يوم الجمعه قبل صلاة الامام ولا عذر له كره له ذلک، وعلى المكروه تحريما وهو ماكان الى الحرام اقرب، ويسميه محمد حراماً ظنياً. وعلى المكروه تنزيهاً : وهو ماكان تركه اولٰى من فعله ويرادف خلاف الاولٰى كما قدمناه" (شامی. ردالمحتار جلد ۱ ص ۱۳۱)

''مکروہ کا لفظ محبوب کی ضد ہے۔ یہ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے، کبھی مکروہ تحریمی پر، اور مکروہ تحریمی وہ ہے جو حرام سے قریب تر ہو۔ امام محمد (رحمۃ اللہ علیہ) اسی کو ''حرام ظنی'' فرماتے ہیں۔ اور کبھی مکروہ تنزیہی پر بولا جاتا ہے، اور مکروہ تنزیہی وہ ہے جس کا چھوڑنا اس کے کرنے سے بہتر ہو۔ اسی کو خلاف اولیٰ بھی کہتے ہیں۔''

اور مکروہ کا لفظ جب جائز و ناجائز کے باب میں مطلق بولا جائے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے کتاب الحظر والاباحۃ میں تصریح کی ہے۔ (جلد ۶ ص ۳۳۷)

اس لئے موصوف کا مطلقاً یہ کہنا ''مکروہ اور جائز ایک دوسرے کے قریب ہیں'' نہ صرف مغالطہ ہے بلکہ لوگوں کو مکروہات شرعیہ کے ارتکاب پر جری کرنے والا ہے۔

ملکہ سبا کے قصہ سے استدلال

بعض حضرات نے ملکہ سبا کے قصہ سے جو قرآن مجید میں مذکور ہے، یہ استدلال کیا ہے کہ عورت حکومت کی سربراہ بن سکتی ہے۔ لیکن اس قصہ سے استدلال نہایت عجیب ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک مشرک قوم کی ملکہ تھیں جن کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا ہے ''فہم لا یہتدون''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوت پر وہ آپ کے تابع فرمان ہوگئی تھیں اور کسی صحیح روایت میں یہ وارد نہیں ہے کہ ان کے اسلام لانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو حکومت پر برقرار رکھا تھا۔ امام قرطبیؒ نے اس سلسلہ میں اسرائیلی قصے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

''لم یرد فیہ خبر صحیح لا فی انہ تزوجھا ولا فی انہ زوجھا۔''

(قرطبی الجامع لاحکام القرآن جلد ۱۳ ص ۲۱۰، ۲۱۱)

''اس بارے میں کوئی صحیح روایت وارد نہیں ہوئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے خود شادی کرلی تھی اور نہ یہ کہ کسی دوسرے سے شادی کردی تھی۔''

جب تک کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو حکومت پر برقرار رکھا تھا تب تک یہ بھی ثابت نہیں ہوسکتا کہ کم از کم حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں عورت کو حکومت کا سربراہ بنانا جائز تھا۔

علاوہ ازیں انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات سے استدلال اس وقت جائز ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں ہمیں اس سے کوئی مختلف ہدایت نہ فرمائی ہو۔ زیر بحث مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف ہدایت موجود ہے کہ عورت سربراہ حکومت نہیں ہوسکتی اور اسی پر امت محمدیہ کا اجماع ہے۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا، اب اگر کسی قطعی دلیل سے یہ بھی ثابت ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو حکومت پر برقرار رکھا تھا تو ہدایت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت کے بعد اس سے استدلال کرنا صریح طور پر غلط ہوگا۔

حضرت اقدس مفتی محمد شفیع دیوبندی (سابق مفتی اعظم پاکستان) نے احکام القرآن میں اس آیت پر بہت نفیس کلام فرمایا ہے جو بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ یہاں اس کا ضروری اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

المراۃ لا تصلح تکون ملکۃ اوامامآ

"فعلم ان المراة لا تصلح ان تكون ملكه في شريعة محمد صلى الله عليه وسلم وكان واقعة بلقيس من عمل الكفرة فلا يحتج به علىٰ ماقاله الا لوسي. وان قيل ان اسلوب القرآن الحكيم في عامته مواضعه انه اذا ذكر فعلا منكراً من الكفار صرح عليه بالانكار. فعدم الانكار عليه في هذه الاية لعله كان مشيراً الى الجواز قلنا اولاً لا يعلم عموم ماقيل وثانياً لايلزم ان يكون التصريح بالانكار في ذلک الموضع بل يكفي الانكار عليه في شئ من آياته ولو في موضع آخر بل في حجته من حجج الشرعية فاذا وردالانكار عليه في حديث البخارى كفىٰ لبيان كونه منكراً كما يرشدک النظر في امثال هذه المواضع افاده شيخنا دامت عوارفه ويويد حديث البخارى مارواه الذهبي في تلخيص المستدرک عن ابى بكرة ان النبى صلى الله عليه وسلم اتاه بشير يبشر بظفر خيل له وراسه في حجر عائشة رضى الله عنها فقام فخر لله ساجداً فلما انصرف انشاء يسال الرسول فحدثه فكان فيما

حدثه من امر العدو و کانت تليهم امراة فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم هلكت الرجال حين اطاعت النساء قال الذهبی صحيح."

(مستدرک ص ۱۹۱ ج ۴) (مفتی محمد شفیعؒ۔ احکام القرآن جلد ۵ ص ۱۸)

عورت ملکہ یا امام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی

(روح المعانی اور درمختار کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) "معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں عورت ملکہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ بلقیس کا واقعہ کافروں کا عمل ہے لہٰذا اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ آلوسیؒ نے کہا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ قرآن کریم کا انداز عام مقامات میں یہ ہے کہ جب وہ کفار کے کسی منکر فعل کا ذکر کرتا ہے تو اس پر صراحۃً انکار کرتا ہے، اس آیت میں اس فعل پر انکار نہ کرنا شاید جواز کی طرف مشیر ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ اول تو قرآن کریم کا جو اسلوب اوپر ذکر کیا گیا ہے اس کا عموم معلوم نہیں۔ علاوہ ازیں ضروری نہیں کہ انکار کی تصریح اسی موقع پر کردی جائے بلکہ اس کی کسی آیت میں انکار کا پایا جانا کافی ہے۔ خواہ کسی دوسری جگہ ہو۔ بلکہ دلائل شرعیہ میں سے کسی دلیل میں انکار کا پایا جانا بھی کافی ہے۔ پس جب کہ صحیح بخاری میں عورت کی حکمرانی پر نکیر آچکی ہے، تو اس فعل کے منکر ہونے کو بیان کرنے کے لئے کافی ہے جیسا کہ اس قسم کے مواقع میں نظر کرنا تمہاری رہنمائی کرے گا۔ یہ ہمارے شیخ (حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ) دامت عوارفہ، کا افادہ ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث کی تائید تلخیص مستدرک کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔" (یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے استدلال

بعض حضرات نے عورت کی سربراہی کے مسئلہ پر جنگ جمل کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جنگ جمل میں قیادت کی تھی۔ اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ نے ان کی قیادت کو تسلیم کیا تھا۔

واقعہ یہ تھا کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہ اس موقع پر خلافت و امارت کا دعویٰ تھا نہ انہیں کسی مہم کے لئے کسی نے امیر منتخب کیا تھا، نہ اس کے سیاسی مقاصد تھے اور نہ وہ جنگ و قتال کے لئے نکلی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے موقع پر وہ دیگر امہات المومنین کے ساتھ حج پر گئی ہوئی تھیں۔ اکابر صحابہ وہاں جمع ہوئے اور انہوں نے اصرار کیا کہ مادر مشفق کی حیثیت سے انہیں امت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کرنے اور ہولناک صورت حال کی اصلاح کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان کی لائق صد احترام شخصیت اس فتنہ کو فرو کرنے میں موثر کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس وقت نہ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی امارت کسی کے گوشہ ذہن میں تھی اور نہ کسی کو خیال تھا کہ انہیں حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے لڑا دیا جائے گا۔ چنانچہ بصرہ پہنچنے کے بعد جب قعقاع بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے تشریف آوری کا مقصد پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

"اے بنی! لا صلاح بین الناس!"

بیٹا! میرے آنے کا مقصد لوگوں کے درمیان اصلاح کرانا ہے۔"

اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی مصالحتی گفتگو میں "اصلاح بین الناس" کا نقشہ مرتب بھی کر لیا گیا تھا۔ لیکن مفسدوں کو اس میں اپنی موت نظر آئی اور انہوں نے ایک سوچی سمجھی سازش کے ذریعہ رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا اس طرح اصلاح کی مخلصانہ کوشش "جنگ جمل" میں تبدیل کر دی گئی۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"فان عائشه لم تقاتل ولم تخرج لقتال وانما خرجت بقصد الاصلاح بين المسلمين وظنت ان فى خروجها مصلحة للمسلمين...... ولم يكن يوم الجمل لهولا قصد فى القتال، ولكن وقع الاقتتال بغير اختيارهم، وانه لما تراسل على وطلحة والزبير وقصد والاتفاق علىٰ المصلحة، وانهم اذا تمكنوا طلبوا قتله عثمان اهل الفتنه...... فخشى القتله ان يتفق على معهم علىٰ امساك القتله فحملوا على عسكر طلحه

والزبیر، فظن طلحه والزبیر ان علیاً حمل علیهم فحملوا دفعاً عن انفسهم فظن علی انهم حملوا علیه فحمل دفعاً عن نفسه فوقعت الفتنه بغیر اختیارهم وعائشه راکبه، لاقاتلت ولاامرت بالقتال، هکذا ذکره غیر واحد من اهل المعرفه بالاخبار." (منهاج السنه جلد ۲ ص ۱۸۵)

"کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ قتال کیا اور نہ قتال کے لئے نکلی تھیں وہ تو اصلاح بین المسلمین کے قصد سے تشریف لائی تھیں۔ اور ان کا خیال تھا کہ ان کی تشریف آوری میں مسلمانوں کی مصلحت ہے...... اور جنگ جمل کے دن ان حضرات کا قتال کا قصد نہیں تھا لیکن ان کے اختیار کے بغیر قتال کی نوبت آئی۔ قصہ یہ ہوا کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما سے مراسلت ہوئی اور انہوں نے مصالحت پر اتفاق کرنے کا عزم کرلیا اور یہ طے ہوا کہ جب قدرت ہوگی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین اہل فتنہ پر گرفت ہوسکے گی...... قاتلین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ے لئے یہ خطرہ کی گھنٹی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قاتلین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گرفت کرنے میں ان حضرات کے ساتھ متفق ہو جائیں...... چنانچہ انہوں نے حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے کیمپ پر شبخون مارا، طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما یہ سمجھے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر حملہ کردیا ہے۔ انہوں نے مدافعانہ حملہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھے کہ ان لوگوں نے حملہ کیا ہے انہوں نے اپنی مدافعت میں جنگ شروع کردی۔ یوں ان کے اختیار کے بغیر یہ فتنہ برپا ہوکر رہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ہودج میں) سوار تھیں، وہ نہ لڑیں نہ انہوں نے لڑنے کا حکم دیا۔ بہت سے مورخین نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔"

مسند الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں اس کو مفصل لکھا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اصرار کو بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وعائشہ رانیز باعث شدند کہ تا رفع فتنہ وحصول امن ودرستی امور خلافت وملاقات ماہا خلیفہ وقت ہمراہ ماباش تا بپاس ادب تو کہ مادر مسلمانی وحرم محترم رسول واز جملہ ازواج محبوب

ترو مقبول بوده ایں اشقیا قصد ما نکنند و مارا تلف نہ سازند، ناچار عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بقصد اصلاح و انتظام امور امت و حفظ جان چندے از اکبر اصحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہم اقارب او بودند بسمت بصرہ حرکت فرمود۔" (تحفہ اثنا عشریہ ص ۴۴۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

"ان حضرات نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی اصرار کیا کہ جب تک فتنہ نہیں اٹھ جاتا امن کامل نہیں ہو جاتا، امور خلافت درست نہیں ہو جاتے اور خلیفہ وقت سے ہماری ملاقات نہیں ہو جاتی، آپ بھی ہمارے ساتھ رہیں کیونکہ آپ مسلمانوں کی مادر مشفق ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائق صد احترام حرم ہیں۔ اور ازواج مطہرات میں سب سے محبوب و مقبول تھیں، اس لئے آپ کے پاس ادب کے وجہ سے یہ اشقیاء ہمارا قصد نہیں کریں گے، ہمیں تلف نہیں کریں گے، لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لوگوں کے درمیان صلح کرانے، امور امت کو نظم میں لانے اور چند اکابر صحابہ جو آپ کے عزیز بھی ہوتے تھے، ان کی جان کی حفاظت کی خاطر بصرہ کا رخ کیا۔"

الغرض حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس لشکر کی نہ امیر تھیں، نہ سپہ سالار، نہ ان کے سیاسی مقاصد تھے اور نہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے مقابلہ و مقاتلہ ان کا مقصود تھا۔ ان کو اکابر صحابہ نے مادر مشفق کی حیثیت سے اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کیا تا کہ ان کی لائق صد احترام شخصیت کی وجہ سے اصلاح احوال میں سہولت ہو۔

اس کے باوجود ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی۔ راستہ میں جب ایک مقام، ہواب، پر پہنچیں تو واپسی کا ارادہ فرمایا، لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ قیس بن ابی حازم البجلی کا بیان ہے۔

"لما اقبلت عائشه فلما بلغت مياه بنى عامر ليلاً نبحت الكلاب، فقالت اى ماهذا؟ قالوا ماء الحواب، قالت ماظننى الا انى راجعة قال بعض من كان معها: بل تقلمين فيراك المسلمون' فيصلح الله ذات بينهم، قالت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ذات يوم: "كيف باحداكن تنبح عليها كلاب الحواب." (سير اعلام النبلاء جلد: ص: ۱۷۷)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب مکہ سے بصرہ روانہ ہوئیں، دوران سفر جب رات کے وقت بنو عامر کی آبادی میں پہنچیں تو کتے بھونکے، دریافت فرمایا کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ بتایا گیا کہ یہ حواب ہے فرمایا: میرا خیال ہے مجھے یہیں سے واپس لوٹنا ہے۔ آپ کے بعض ہمراہیوں نے کہا کہ نہیں آپ کو آگے چلنا چاہئے۔ آپ کو دیکھ کر مسلمان متفق ہوجائیں گے، اس طرح آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حالت کی اصلاح فرمادیں گے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا تھا ''تم (ازواج مطہرات) میں سے ایک کی کیا حالت ہوگی، جب کہ اس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔''

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''حضرت عائشہ درین اصرار معذور بود زیرا کہ وقت خروج از مکہ نمید انست کہ درین راہ چشمہ حواب نام واقع خواہد شد و بر آن گزشتن لازم خواہد آمد و چون بر آن آب رسید و دانست ارادہ رجوع مصمم کرد لکن میسر ش نشد زیرا کہ کسے از اہل لشکر ہمراہ او رفاقت در رجوع نہ کرد و در حدیث نیز بعد از وقوع واقع ہیچ ارشاد نہ فرمودہ اند کہ چہ باید کرد ناچار بقصد اصلاح ذات البین کہ بلاشبہ مامور بہ ست پیشتر روانہ شد پس حالت حضرت عائشہ درین مرور حالات شخصی است کے طفلے را از دور دید کہ میخواہد در چاہے بیفتد بے اختیار برائے خلاص کردن او ر دوید و در اثنائے دویدن بے خبر محاذی نماز گزارندہ مرور واقع شدہ او را در وقت محاذات اطلاع دست داد کہ من محاذی نماز گزارندہ ام پس اگر بر عقب میگردد آن طفل در چاہ می افتد ایں مرور واقع شدہ را تدارک نمیتو اند شد ناچار قصد خلاصی طفل خواہد کرد این مرور را در حق خود معفو خواہد شناخت۔'' (تحفہ اثنا عشریہ، ص ۳۳۲)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس اصرار میں معذور تھیں کہ مکہ سے نکلتے وقت انہیں معلوم نہیں تھا کہ اس راستے میں حواب نامی چشمہ واقعہ ہوگا اور اس پر سے گزرنا پڑے گا، اور جب اس پر پہنچیں اور علم ہوا تو واپسی کا پختہ ارادہ کیا، لیکن واپسی میسر نہ آئی۔ کیونکہ اہل لشکر میں سے کسی نے رجوع میں ان کے ساتھ رفاقت نہیں کی اور حدیث (حواب) میں بھی کوئی ارشاد نہیں فرمایا گیا کہ واقعہ کے وقوع میں آنے کے بعد کیا کرنا چاہئے۔ اس لئے

ناچار اصلاح ذات البین کی غرض سے، جو بلاشبہ مامور بہ ہے، آگے روانہ ہوئیں۔ پس اس گزرنے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حالت اس شخص کے مشابہ ہے کہ جس نے دور سے کسی بچے کو دیکھا کہ کنویں میں گرا چاہتا ہے، دیکھتے ہی اس کو بچانے کے لئے دوڑ پڑا، اور دوڑتے ہوئے بے خبری میں کسی نمازی کے سامنے سے مرور واقع ہوا اور عین سامنے آنے کے وقت معلوم ہوا کہ میں نمازی کے آگے سے گزر رہا ہوں۔ اب اگر پیچھے ہٹتا ہے تو وہ کنویں میں گر جائے گا، اور یہ جو نمازی کے سامنے آ چکا ہے اس کا تدارک نہیں ہو سکتا، ناچار اس نے بچے کو بچانے کا قصد کیا، اور اس گزرنے کو اپنے حق میں لائق عفو سمجھا۔

بعد میں جب انہیں جنگ جمل کا واقعہ یاد آتا تو نہایت افسوس کرتیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

''ہر گاہ یوم الجمل را یاوی فرمود آن قدر میگریست کی معجر مبارکش باشک تر می گشت بسبب آنکہ در خروج عجلت فرمود و ترک تامل نمود از پیشتر تحقیق نہ فرمود کہ آب حواب در راہ واقع است یا نہ تا آنکہ این قسم واقعہ عظمی وداد۔'' (تحفہ اثنا عشریہ، ص:۳۳۵)

''آپ جب یوم الجمل کو یاد کرتیں تو اتنا روتیں کہ آنچل مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتا کیونکہ اس کا سبب یہ تھا خروج میں عجلت فرمائی، تامل نہیں فرمائیں اور پہلے سے تحقیق نہ فرمائی کہ آب حواب راہ میں واقع ہے یا نہیں یہاں تک کہ اس قسم کا واقعہ عظمی رونما ہوا۔''

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ثم تبین لها فیما بعد ان ترک الخروج کان اولی فکانت اذا ذکرت خروجها تبکی حتی تبل خمارها'' (منهاج السنة جلد ۲، ص ۱۸۵)

''پھر بعد میں ان کو ظاہر ہوا کہ ترک خروج بہتر تھا۔ چنانچہ جب اپنے خروج کو یاد کرتیں تو اس قدر روتیں کہ آنچل بھیگ جاتا۔''

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولا ریب ان عائشة ندمت ندامه کلیته علی مسیرها الی البصرة وحضورها یوم الجمل، وما ظنت ان الامر یبلغ مایلغ.'' (سیر اعلام النبلاء جلد ۲، ص ۱۷۷)

''اس میں شک نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بصرہ جانے اور جنگ جمل کے دن وہاں موجود ہونے پر کلی ندامت ہوئی انہیں یہ وہم وخیال بھی نہ تھا کہ معاملہ کی نوبت یہاں تک پہنچے گی۔''

اظہار ندامت کے طور پر فرماتی تھیں۔

"ودت انی کنت ثکلت عشرة مثل الحارث بن هشام و انی لم اسر مسیری مع ابن الزبیر." (مستدرک حاکم جلد ۳، ص ۱۱۹)

''میں آرزو کرتی ہوں کہ میرے حارث بن ہشام جیسے دس لائق بیٹے پیدا ہو کر مر گئے ہوتے اور میں ابن زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ (بصرہ) نہ جاتی۔''

کبھی فرماتی تھیں۔

"ودت انی جلست کما جلس غیری فکان احب الی من اکون ولدت من رسول الله صلی الله علیه وسلم عشرة کلهم مثل عبد الرحمن بن الحارث بن هشام." (فتح الباری جلد ۱۳، ص ۵۵) قال الحافظ اخرجه الطبرانی وفیه ابو معشر نجیح المدنی، وفیه ضعف، وقال الهیثمی رواه الطبرانی وفیه ابو معشر نجیح وهو ضعیف، یکتب حدیثه، وبقیة رجاله ثقات، مجمع الزوائد جلد ۷، ص ۲۳۸)

''میں آرزو کرتی ہوں کہ میں گھر میں بیٹھی رہتی جیسا کہ دوسری ازواج مطہرات بیٹھی رہیں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ محبوب تھی کہ میرے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس بیٹے پیدا ہوتے اور وہ سب عبدالرحمٰن بن حارث جیسے بیٹے ہوتے۔''

اور کبھی فرماتی:۔"ودت انی کنت غصناً رطباً ولم اسر مسیری هذا."

(ازالۃ الخفاء جلد ۲، ص ۲۸۰۔ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

''میں آرزو کرتی ہوں کہ اے کاش میں ہری شاخ ہوتی اور اس سفر پر نہ نکلتی۔'' اسی طرح متعدد صحابہ کرام نے بھی ان کے خروج پر نکیر فرمائی (جس کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔)

اب انصاف فرمایئے کہ جس واقعہ میں حضرت ام المومنین اور ان کے رفقاء (رضی اللہ

عنہم) کے ذہن میں حکومت و امارت کا کوئی تصور ہی نہیں تھا بلکہ ام المومنین امت کی ماں کی حیثیت سے امت کے درمیان جوڑ پیدا کرنے نکلی تھیں۔ جس واقعہ پر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے نکیر فرمائی اور جس پر خود حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے افسوس اور ندامت کا اظہار فرمایا، کیا اس کو ''حکومت کے لئے عورت کی سربراہی'' کے جواز کی دلیل بنانا صحیح ہے؟

اور یہاں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اس پورے سفر میں حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہودج، میں پردہ نشین رہیں، اور آپ کے محارم آپ کے ساتھ رہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ جنگ جمل کے اختتام کے بعد اعیان و اشرف حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں اسلام کے لئے حاضر ہو رہے تھے ایک شخص نے ہودج کے اندر جھانکا، حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا:۔

"الیک لعنک اللہ، ھتک اللہ سترک، وقطع یدک وابدی عورتک."

''پرے ہٹ، اللہ تجھ پر لعنت کرے، تیرا پردہ فاش کرے، تیرے ہاتھ کاٹ ڈالے اور تیرے ستر کو عریاں کرے۔''

یہ شخص بصرہ میں قتل ہوا، اس کے بعد اس کے ہاتھ کاٹے گئے اور اس کی برہنہ لاش ویرانے میں ڈال دی گئی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۲۴۵)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ پورا سفر اپنے محرموں کی معیت میں ہودج کے اندر ہوا اور اس ہولناک جنگ میں بھی وہ اپنے ہودج کے اندر پردہ نشین رہیں۔ کسی کو ان کے ہودج کے اندر جھانکنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور یہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ آپ کے گرد کا پورا مجمع کیا موافق اور کیا مخالف آپ کو ماں سمجھتا تھا۔ آپ کو اسی احترام و تقدس کا مستحق سمجھتا تھا جو نیک اولاد کے دل میں سگی ماں کا ہوتا ہے۔

ایک طرف اس پورے پس منظر کو ذہن میں رکھئے۔ دوسری طرف دور حاضر کی ان خواتین کے حالات پر غور کیجئے جن کی تعلیم و تربیت اور ذہنی تخلیق مغربی یونیورسٹیوں کی آزاد فضاؤں میں ہوتی ہے جو کسی پردے وردے کی قائل نہیں، جو گھر کی چار دیواری کو جیل سے تشبیہ دیتی ہیں اور چادر اور دوپٹے کو طوق و سلاسل تصور کرتی ہیں جن کے نزدیک محرم و نامحرم

کا امتیاز دقیانوسیت کی علامت ہے۔ اور جلوت وخلوت میں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے پر فخر کرتی ہیں کیا ان خواتین کے لئے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مثال پیش کرنا عقل ودانش اور حق وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے؟

رضیہ سلطانہ، چاند بی بی اور بھوپال کی بیگمات

بعض حضرات عورت کی سربراہی کا جواز پیش کرنے کے لئے التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ، بیجا پور کے حکمران کی بیوہ چاند بی بی اور بیگمات بھوپال کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ کتاب وسنت اور اجماع امت کے مقابلے میں ان مثالوں کی کیا قیمت اور حیثیت ہے، مسلمانوں میں دین اسلام کے خلاف سیکڑوں منکرات وبدعات رائج ہیں زنا، چوری، شراب نوشی، سود وقمار اور رشوت جیسے کبائر تک میں لوگ مبتلا ہیں، مگر مسلمانوں میں ان چیزوں کے رواج ہو جانے کو ان کے جواز واباحت کی دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح اگر عورت کی حکمرانی کے شاذ ونادر واقعات پیش آئے ہیں تو انہیں قرآن وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت سیئہ کہا جائے گا۔ ان واقعات کو عورت کی حکمرانی کے جواز میں پیش کرنا اہل عقل وفہم سے نہایت بعید ہے۔

چونکہ عورت کی سربراہی انسانی ونسوانی فطرت کے خلاف ہے اس لئے میں نے ان واقعات کو ان عجیب الخلقت بچوں کے ساتھ تشبیہ دی تھی جو کبھی مادہ فطرت کے نقص کی وجہ سے جنم لیتے ہیں، یا ان کی مثال ان پھوڑے پھنسیوں کی ہے جو فساد خون کی علامت کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔

ان واقعات پر غور کرتے ہوئے اہل فہم کو یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ خواتین کی حکمرانی کے یہ واقعات نظام شہنشاہیت کے شاخسانے تھے۔ مثلاً بتایا جاتا ہے کہ سلطان التمش کا لڑکا فیروز نالائق تھا اور اس کی بیٹی رضیہ بڑی لائق وفائق تھی۔ اس لئے سلطان نے اپنے بیٹے کے بجائے بیٹی کو تخت کی وارث بنادیا۔ یہی صورت بیجا پور اور بھوپال کی ریاستوں میں بھی پیش آئی کہ تخت کا وارث کوئی مرد نہیں رہا تھا۔ اس لئے ان خواتین کو اس وراثت کی ذمہ داری قبول کرنا پڑی۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایک طرف پرستاران جمہوریت اٹھتے بیٹھتے شہنشاہیت کے سب وشتم کا وظیفہ پڑھتے ہیں، دوسری طرف اسی شہنشاہیت کی نہایت مکروہ اور بگڑی ہوئی

شکل کو بطور معیار پیش کر کے اس سے عورت کی حکمرانی کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے۔

اب دیکھئے کہ التمش کے تخت کا روارث نالائق تھا اس لئے بامر مجبوری اس نے اپنی بیٹی کو تخت کی وارث بنا دیا۔ کیا پاکستان کے حالات پر اس واقعہ کو چسپاں کرتے ہوئے ہم دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پاکستان کے تمام مرد نالائق تھے اس لئے شہنشاہ پاکستان کو بیٹی کو پاکستان کے تخت کی وارث بنایا گیا؟

بیجا پور اور بھوپال کی ریاستوں میں شاہی خاندانوں میں کوئی مرد باقی نہیں رہا تھا اس لئے مجبوراً بے چاری خواتین کو ریاست کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لینا پڑا۔ کیا پاکستان کے حالات پر ان کی مثال چسپاں کرنے کے یہ معنی نہیں کہ اس ملک کے سارے مرد مر چکے ہیں اس لئے دختر پاکستان کو حکومت کی گدی پر بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ کہتے ہیں کہ ''غرض آدمی کی بصیرت کو اندھا کر دیتی ہے'' جو حضرات عورت کی حکمرانی کا جواز اس قسم کے واقعات میں تلاش کرتے ہیں۔ ان پر یہ مثال پوری طرح صادق آتی ہے۔

مس فاطمہ جناح

بعض حضرات عورت کی سربراہی پر یہ استدلال کرتے ہیں کہ صدر ایوب خان کے مقابلہ میں مس فاطمہ جناح کو صدارت کے لئے نامزد کیا گیا تھا اور بڑے بڑے علماء نے اس کی تائید کی تھی اس وقت یہ فتوے کہاں چلے گئے تھے؟

لیکن یہ صریح مغالطہ ہے اس لئے کہ علمائے امت اور اہل فتویٰ نے اس وقت بھی کھل کر مخالفت کی تھی کسی ایک مفتی کا نام بھی پیش نہیں کیا جاسکتا جس نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہو (اور جو شخص اجماع امت کے خلاف فتویٰ دینے کی جرأت کرے اس کو مفتی کہنا ہی غلط ہے) چنانچہ مولانا مفتی محمودؒ نے اسی بنا پر نہ ایوب خان کے حق میں ووٹ دیا اور نہ فاطمہ جناح کو انہوں نے اپنا ووٹ ہی استعمال نہیں کیا۔

اور جن سیاسی یا نیم مذہبی و نیم سیاسی تنظیموں نے محض سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر اس منصب کے لئے مس فاطمہ جناح کا انتخاب کیا تھا وہ بھی ان کی سیاسی مجبور تھی۔ ان کے خیال میں پاکستان میں وہ واحد شخصیت تھی جو ایوب خان کا مقابلہ کر سکتی تھی اور مس فاطمہ جناح نے

ان لوگوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ ایوب خان کے ہٹائے جانے کے بعد ان کو تین مہینے میں اپنا صدر کوئی دوسرا منتخب کرنا ہوگا۔ الغرض اہل فتویٰ کے نزدیک تو مس فاطمہ جناح کی نامزدگی بھی خلاف شرع اور ناجائز تھی۔ اور اہل سیاست کے نزدیک یہ بھی اسی طرح کی اضطراری کیفیت تھی جس طرح اضطراری کیفیت متذکرہ بالا خواتین کے شاہی خاندانوں کو پیش آئی۔

حضرت تھانویؒ کا فتویٰ

بعض حضرات، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایک فتویٰ کا حوالہ دیتے ہیں جو ...... امداد الفتاویٰ (جلد ۵، ص ۹۹۔۱۰۰) میں شامل ہے۔ اس فتویٰ سے ان حضرات کا استدلال کہاں تک صحیح ہے؟ اس پر غور کرنے کے لئے چند امور کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

اول یہ کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ امت کے اس اجماعی فیصلے کے ساتھ پوری طرح متفق ہیں کہ اسلام میں عورت کو سربراہ حکومت بنانا جائز نہیں، چنانچہ تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

۱:۔ ''اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے۔ پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہ نہ کرے۔ اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا۔ دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں۔'' (بیان القرآن جلد ۸، ص ۸۵)

۲:۔ اوپر حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی کتاب احکام القرآن کا حوالہ آچکا ہے جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے زیر اشراف لکھی گئی اور جس میں خود حضرتؒ ہی کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے کہ عورت کا سربراہ مملکت بنانا جائز نہیں اور بلقیس کے قصہ سے اس کے جواز پر استدلال کرنا غلط ہے۔

۳:۔ اور خود اسی فتویٰ میں، جس کو عورت کی سربراہی کے لئے پیش کیا جاتا ہے حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرات فقہاء نے امامت کبریٰ میں ذکورۃ (مرد ہونے) کو شرط صحت اور قضا میں گو شرط صحت نہیں، مگر شرط صون عن الاثم فرمایا ہے۔'' (امداد الفتاویٰ جلد ۵، ص ۱۰۰)

۴:۔ اوپر شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی کی کتاب احکام القرآن کا حوالہ بھی گزر چکا ہے جس میں امامت کبریٰ وصغریٰ کو مرد کی خصوصیت قرار دیا گیا ہے، احکام القرآن کا یہ حصہ بھی حضرت حکیم الامتؒ کی نگرانی میں مرتب ہوا۔

ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے نزدیک بھی یہ اصول مسلم ہے کہ کسی اسلامی مملکت میں حکومت کی سربراہ عورت نہیں ہوسکتی۔

دوم:۔ حضرت نے جس سوال کے جواب میں یہ فتویٰ تحریر فرمایا اس کا پس منظر پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے، صورت حال یہ تھی کہ انگریزوں کے ہندوستان پر تسلط کے بعد بعض موروثی ریاستوں کو برقرار رکھا گیا تھا۔ اوران کی حیثیت نیم خودمختار ریاستوں کی تھی۔ ان میں بعض مسلم ریاستیں ایسی تھیں جن میں پردہ نشین خواتین کے سوا کوئی قانونی وارث باقی نہیں رہا تھا۔ اب دوصورتیں ممکن تھیں، ایک کہ یہ پردہ نشین خواتین کو (جنہیں انگریزی قانون ریاست کی قانونی وارث سمجھتا تھا) والی ریاست تسلیم نہ کیا جاتا۔ اس صورت میں ان ریاستوں کی نیم آزادانہ حیثیت ختم ہوجاتی۔ اور یہ انگریزی قلمرو میں مدغم ہوجاتیں، ظاہر ہے کہ یہ ضرر عظیم تھا۔ اور دوسری صورت یہ تھی کہ محض مشیر کی حیثیت سے ان خواتین کو والی ریاست تسلیم کیا جاتا اور ریاست کا انتظام وانصرام ان خواتین کے مشورہ سے مردوں کے ہاتھ میں دے دیا جاتا۔ ان ریاستوں میں عملاً یہی صورت اختیار کی گئی تھی اور سوال کرنے والے نے اسی صورت کے بارے میں سوال کیا تھا کہ آیا یہ ریاستیں اس حدیث کا مصداق ہیں یا نہیں؟

سوم:۔ اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے حضرتؒ کے فتویٰ پر غور کیجئے۔ حضرت لکھتے ہیں:

"حکومت کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم وہ جو تام بھی ہو، عام بھی ہو۔ تام سے مراد یہ کہ حاکم بانفرادہ خودمختار ہو یعنی اس کی حکومت شخصی ہو اور اس کے حکم میں کسی حاکم کی منظوری کی ضرورت نہ ہو، گو اس کا حاکم ہونا اس پر موقوف ہو۔ اور عام یہ کہ اس کی محکوم کوئی محدود قلیل جماعت نہ ہو۔

دوسری قسم وہ جو تام تو ہو مگر عام نہ ہو، تیسری قسم وہ جو عام ہو مگر تام نہ ہو...... مثال اول کی کسی عورت کی سلطنت یا ریاست بطرز مذکور شخصی ہو۔ مثال ثانی کی کوئی عورت کسی مختصر جماعت کی منتظم بلاشرکت ہو۔ مثال ثالث کی۔ کسی عورت کی سلطنت جمہوری ہو کہ اس میں والی صوری

درحقیقت والی نہیں بلکہ ایک رکن مشورہ ہے اور والی حقیقی مجموعہ مشیروں کا ہے، حدیث کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد حدیث میں پہلی قسم ہے۔" (امداد الفتاویٰ جلد ۵ ص ۹۹)

حضرت کی اس تحریر سے واضح ہے کہ صرف ایسی ریاستیں حدیث مذکور کی وعید سے مستثنیٰ ہیں جن میں والی ریاست خواتین کی حیثیت محض مشیر یا رکن مشورہ کی ہو اور احکام کے نفاذ کے اختیارات ان کے ہاتھ میں نہ ہوں۔ چنانچہ اس کی وجہ ذکر کرتے ہوئے حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

"اور راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے، اور عورت اہل ہے مشورہ کی۔" (ص ۱۰۰)

اب دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان میں وزارت عظمیٰ کا جلیل القدر منصب محض مشیر یا رکن مشورہ کی حیثیت رکھتا ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے (اور یقیناً نفی میں ہے) تو حضرتؒ کی تحریر سے استدلال کرنے والے حضرات خود ہی انصاف فرمائیں کہ ان کا استدلال کہاں تک صحیح ہے؟

پاکستان میں جو پارلیمانی نظام نافذ ہے اس میں وزیر اعظم کا منصب بے اختیار قسم کا محض علامتی منصب نہیں بلکہ وزیر اعظم ملک کی حکومت اور انتظامیہ کا با اقتدار و خود مختار سربراہ ہے آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ملکی نظم و نسق پر اس کو مکمل کنٹرول حاصل ہے، وہ اپنی کابینہ کی تشکیل میں آزاد و خود مختار ہے، اور تمام شعبوں اور وزارتوں کی کارکردگی کا ذمہ دار ہے، وہ اپنی کابینہ سے مشورہ ضرور کرتا ہے لیکن کسی مشورے کا پابند نہیں وہ جس وزیر یا مشیر کو جس وقت چاہے اس کے منصب سے فارغ کر سکتا ہے۔ اس لئے اس کے تمام وزراء اور مشیران اس کی رائے اور خواہش کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ اپنی ہر حرکت و عمل میں وزیر اعظم کے اشارہ چشم و ابرو پر نظریں جمائے رکھتے ہیں اور وہ کسی ایسے اقدام کی جرأت نہیں کر سکتے جس سے وزیر اعظم کے نازک مزاج شاہی کو خدانخواستہ گرانی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عرف عام میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ ملک میں وزیر اعظم کی حکومت ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں وزیر اعظم کے دور حکومت میں یہ ہوا۔

جہاں تک قانون سازی کا تعلق ہے، سب جانتے ہیں کہ وزیر اعظم قانون ساز ادارے میں اکثریتی پارٹی کا لیڈر اور قائد ایوان کہلاتا ہے۔ وہ بڑی آسانی سے اپنی رائے اور خواہش کو

قانون کی شکل دے کر قانون ساز ادارے سے منظور کرا لیتا ہے۔ اپنی پارٹی کے ارکان پر اسے اعتماد و اطمینان ہوتا ہے کہ وہ اس کی مخالفت نہیں کریں گے۔ لیکن اگر کبھی اس قسم کا اندیشہ لاحق ہو تو اپنی پارٹی کے نام خاص ہدایت حکم جاری کر سکتا ہے اور اس ہدایت کے جاری ہونے کے بعد پارٹی کے کسی رکن کو وزیر اعظم کی خواہش کے خلاف چوں کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ مثال ہندوؤں میں مسلم پرسنل لاء (مسلمانوں کے عائلی قوانین) کے معاملے میں پیش آئی۔ اس کی تفصیلات مولانا ابوالحسن علی ندوی کی خودنوشت سوانح کاروان زندگی حصہ سوم باب چہارم میں ملاحظہ کی جائیں۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کی تحریک اور انتھک محنت و کوشش کے نتیجہ میں وزیر اعظم راجیو گاندھی کو اس پر آمادہ کر لیا گیا کہ حکومت ان قوانین کو بل کی شکل میں اسمبلی سے منظور کرائے گی اسمبلی میں بل پیش ہونے کا مرحلہ آیا تو چونکہ ہندوستان کا متعصب پریس اس بل کے خلاف زہر اگل رہا تھا اور اسمبلی کے اندر بھی مسلمانوں کے خلاف تعصب کی فضا تھی۔ اس لئے شدید خطرہ تھا کہ ہندو اور نام نہاد مسلمان اس بل کی مخالفت کریں گے۔

مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں: ”وزیر اعظم نے وہپ، حکم جاری کر دیا کہ پارٹی کے ہر ممبر کو اس کی تائید کرنی ہے۔ مخالفت کی صورت میں وہ پارٹی سے نکال دیا جائے گا۔ اگر بلا عذر کوئی ممبر اس دن شریک اجلاس نہیں ہوا، تو وہ بھی خارج کر دیا جائے گا۔ (کاروان زندگی جلد ۳ ص ۱۴۱)

وزیر اعظم کے اس وہپ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بل پر بحث و تمحیص کے بعد:

”رات پونے تین بجے بل پر ووٹنگ عمل میں آئی اور بل کی مخالفت میں ۵۴ ووٹوں کے مقابلہ میں بل کی حمایت میں ۳۷۲ ووٹ آئے بل کی کامیابی پر تھکے ہوئے کانگریسی ممبران پارلیمنٹ نے اپنی خوشی کا اظہار کیا، دوسری طرف اپوزیشن کے بل مخالف ممبران تھکے تھکائے ہال سے باہر جا رہے تھے۔“ (ایضاً ص ۱۴۷)

یہ صحیح ہے کہ اسمبلی میں حزب اختلاف بھی موجود ہوتی ہے۔ اور وہ اقتدار کے مست ہاتھی کو قابو رکھنے میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے لیکن اکثر و بیشتر ہوتا یہ ہے کہ حزب اختلاف کی دھواں دھار تقریروں اور تمام تر شور و غوغا کے باوجود وزیر اعظم اپنی اکثریت کے نشہ میں

حزب اختلاف کو خاطر میں نہیں لاتا اور وہ اپنی اکثریت کے بل بوتے پر جو قانون چاہتا ہے، منظور کرالیتا ہے دور کیوں جایئے حزب اختلاف کے لائق صد احترام قائد کو ایوان سے باہر پھنکوا کر من مانے قانون منظور کرانے کا تماشا تو خود ہمارے ملک میں دکھایا جاچکا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمہوری حکومت میں وزیر اعظم کوئی بے اختیار نمائشی بت نہیں ہوتا بلکہ با اختیار صاحب حکومت انتظامیہ کا حاکم اعلیٰ اور پورے ملک کا بادشاہ شمار ہوتا ہے۔ اور قانون سازی کے دائرے میں بھی وہ قریب قریب مطلق العنان ہوتا ہے۔ اکثریتی پارٹی کا لیڈر ہونے کی وجہ سے جو قانون چاہے نافذ کر سکتا ہے۔ اور اگر اسے ایوان میں دو تہائی اکثریت کی حمایت حاصل ہو تو آئین کا تیا پانچہ بھی کر سکتا ہے)۔

ان حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ وزیر اعظم کا منصب محض والی صوری کا منصب ہے اس لئے حضرت تھانویؒ کے اس فتویٰ کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:

''والی صوری در حقیقت والی نہیں، بلکہ ایک رکن مشورہ ہے۔'' اور یہ کہ:

''راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ اور عورت اہل ہے مشورہ کی۔''

جن حضرات نے عورت کی وزارت عظمیٰ کے لئے حضرت تھانوی کے اس فتوے سے استدلال کی کوشش کی ہے ان کی خدمت میں اس کے سوا اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے کہ:

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

کیا عورت قاضی بن سکتی ہے؟

بعض حضرات نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورت قاضی بن سکتی ہے تو وزیر اعظم کیوں نہیں بن سکتی؟

ان حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ استدلال میں دو غلطیاں ہیں ایک یہ کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے جو منقول ہے کہ حدود و قصاص کے علاوہ باقی امور میں عورت کا قاضی بننا صحیح ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ عورت کو عہدہ قضا پر مقرر کرنا بھی جائز ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عورت چونکہ اہل شہادت ہے اور اسے فی الجملہ ولایت حاصل ہے۔ اس لئے اگر بالفرض اس کو قاضی بنا دیا جائے تو یا دو فریق کسی قضیہ میں اس کو حکم مان لیں تو حدود و

قصاص کے علاوہ دیگر امور میں اس کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔ بشرطیکہ فیصلہ شریعت کے موافق ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ عورت کو قاضی بنانا بھی جائز ہے نہیں بلکہ اگر کسی جگہ عورت کو قاضی بنایا جاتا ہے تو بنانے والے بھی گنہ گار ہوں گے اور منصب قضا کو قبول کرنے والی بھی گنہ گار ہوگی۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی عبارت اوپر گزر چکی ہے کہ:

''حضرات فقہا نے امامت کبری ذکورۃ (مرد ہونے) کو شرط صحت اور قضا میں گو شرط صحت نہیں مگر شرط صون عن الاثم فرمایا ہے۔'' (امداد الفتاویٰ جلد۵ ص۱۰۰)

حضرت حکیم الامت کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ عورت کو قاضی بنانا فقہائے احناف کے نزدیک بھی گناہ ہے مگر اس کے قاضی بنا دیئے جانے کے بعد اس کا فیصلہ غیر حدود قصاص میں نافذ ہو جائے گا ابوبکر بن العربی المالکی نے بھی حضرت امام کے قول کی یہی توجیہ کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

"ونقل عن محمد بن جرير الطبري امام الدين انه يجوز ان تكون المراة قاضية ولم يصح ذالك عنه، ولعله كما نقل عن ابى حنيفه انها انما تقضى فيما تشهدفيه. وليس ان تكون قاضية على الاطلاق ولابان يكتب لها منشور بان فلانة مقدمة على الحكم، الا في الدماء والنكاح وانما ذالك كسبيل التحكيم اوالاستبانة في القضية والواحدة بدليل قوله صلى الله عليه وسلم "لن يفلح قوم ولوا امرهم امراة." وهذا هوا الظن بابى حنيفة وابن جرير." (احكام القرآن جلد ٣ ص ١٥٧)

''امام محمد بن جریر طبری سے نقل کیا گیا ہے کہ عورت کا قاضی ہونا صحیح ہے مگر یہ نقل صحیح نہیں، شاید یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ سے نقل کیا گیا ہے کہ عورت جن امور میں شہادت دے سکتی ہے، ان میں فیصلہ بھی کر سکتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ علی الطلاق قاضی بن جائے، یا یہ کہ اس کے نام پروانہ جاری کر دیا جائے کہ فلانی عورت کو غیر حدود نکاح میں منصب عدالت پر مقرر کیا جاتا ہے۔ عورت کے فیصلہ کے صحیح ہونے کی بس یہی صورت ہو سکتی ہے کہ کسی معاملہ میں دو فریق اس کو حکم بنالیں یا کبھی کسی قضیہ میں اس کو نائب بنا دیا جائے کیونکہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے امر حکومت عورت کے سپرد کر دیا۔" امام ابو حنیفہ اور امام ابن جریر کے بارے میں یہی گمان کیا جا سکتا ہے۔

حضرت امام کے قول کی قریباً یہی توجیہ شیخ ابو حیان نے البحر المحیط (۷۔۶۷) میں کی ہے جسے صاحب روح المعانی نے بھی نقل کیا ہے۔ (روح المعانی جلد ۱۹ ص ۱۸۹۔۱۹۰)

درمختار میں ہے۔

"والمراة تقضی فی غیر حدوقودوان اثم المولی لها، لخبر البخاری لن یفلح قوم ولوا امرهم امراة." (ردالمختار جلد ۵ ص ۴۴۰)

"اور عورت غیر حدود قصاص میں فیصلہ کر سکتی ہے اگرچہ عورت کو قاضی بنانے والا گنہگار ہوگا کیونکہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے عورت کو اپنے معاملات سپرد کر دیئے۔"

علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

"قوله "ویجوز قضاء المراة فی کل شیٔ الا فی الحدود و القصاص. وقال الائمة الثلاثة لایجوز. لان المراة ناقصة العقل. لیست اهلا للخصومة مع الرجال فی محافل الخصوم. قال صلی الله علیه وسلم لن یفلح قوم ولوا امرهم امراة رواه البخاری...... والجواب ان ماذکر غایته مایفید منع ان تستقضی وعدم حله، والکلام فیما لوولیت واثم المقلد بذالک او حکمها خصمان فقضت قضاء موافقا لدین الله اکان ینفذام لا؟ لم ینتهض الدلیل علی نفیه بعد موافقته ما انزل الله. الا ان یثبت شرعاً سلب اهلیتها. ولیس فی الشرع سوی نقصان عقلها ومعلوم انه لم یصل الی حد سلب ولا یتها بالکلیة. الاتری انها تصلح شاهدة وانظرة فی الاوقاف، ووصیته علی الیتامی. وذالک النقصان بالنسبة والاضافة ثم هو منسوب الی الجنس، فجاز فی الفرد خلافه. الاتری الی تصریحهم بصدق قولنا:

"الرجل خير من المراة." مع جواز كون بعض افراد النساء خير امن بعض افراد الرجال. ولذالک النقص العزيزی نسب صلی الله عليه وسلم لمن يليهن عدم الفلاح فكان الحديث متعرضاً للمولين ولهن. بنقص الحال. وهذا حق. لكن الكلام فيما لووليت فقضت بالحق لماذا يبطل ذالک الحق." (فتح القدير جلد ۵ ص ۴۸۶)

مصنف فرماتے ہیں کہ "عورت کی قضا ہر چیز میں صحیح ہے، مگر حدود وقصاص میں نہیں۔" اور ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی امام احمد رحمہم اللہ) فرماتے ہیں کہ صحیح نہیں۔ کیونکہ عورت ناقص العقل ہے۔ وہ خصوم کی محفلوں میں مردوں کے ساتھ خصومیت کی اہل نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے معاملات عورت کے سپرد کردیئے۔ (صحیح بخاری)......اور جواب یہ ہے کہ جو دلائل ذکر کئے گئے ہیں ان سے زیادہ جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ عورت کو قاضی بنانا ممنوع ہے حلال نہیں اور ہماری گفتگو اس صورت میں ہے کہ اگر عورت کو قاضی بنادیا گیا اور بنانے والا گنہ گار ہوا ہو یا دو فریقوں نے اسے حکم بنالیا اور عورت نے ایسا فیصلہ کردیا جو دین خداوندی کے عین مطابق ہے تو کیا اس کا یہ فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں اس کی نفی پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی جب کہ وہ فیصلہ ما انزل اللہ کے موافق بھی ہے اور یہ فیصلہ کا عدم نفاذ اس کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا کہ ثابت ہوجائے کہ شرعاً اس کی اہلیت مسلوب ہے اور شرع میں صرف عورت کا ناقص العقل ہونا ثابت ہے اور سب جانتے ہیں کہ اس کا نقصان عقل اس حد تک نہیں کہ اس کی ولایت کو کلی طور پر سلب کرلے دیکھتے نہیں ہو کہ عورت گواہ بن سکتی ہے اوقاف کی نگران بن سکتی ہے، اور یتیم کی وصی بن سکتی ہے عورت کا ناقص ہونا مردوں کی نسبت سے ہے پھر یہ نقصان عقل منسوب ہے جنس کی طرف لہٰذا کسی فرد میں اس کے خلاف بھی ہوسکتا ہے کیا دیکھتے نہیں کہ اس مقولہ کو بالکل سچا سمجھا گیا ہے کہ "مرد عورت سے بہتر ہے" حالانکہ بعض عورتیں بعض مردوں سے بہتر ہوسکتی ہیں اور عورتوں کے اس فطری اور خلقی نقص کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدم فلاح کو ان لوگوں کی طرف منسوب کیا ہے جو ان کو والی بنائیں پس حدیث نے ان والی بنانے

والوں کے حق میں عدم فلاح کا اور عورتوں کے حق میں نقص حال کا یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ یہ فیصلہ برحق ہے لیکن اس میں ہماری گفتگو نہیں بلکہ گفتگو اس صورت میں ہے کہ عورت کو قاضی بنا دیا گیا ہو پھر وہ حق کے مطابق فیصلہ کرے تو یہ حق باطل کیوں ہو جائے گا۔"

اکابر کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی عورت کو قاضی بنانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور ایسا کرنے والے گنہگار ہیں مگر چونکہ عورت اہل شہادت ہے اس لئے اگر اس نے فیصلہ کر دیا بشرطیکہ وہ فیصلہ شریعت کے موافق ہو تو نافذ ہو جائے گا۔

ان حضرات کے استدلال میں دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے قیاس کر لیا کہ عورت جب قاضی بن سکتی ہے تو حکمران بھی بن سکتی ہے حالانکہ اول تو یہ قیاس قرآن وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ علاوہ ازیں ملک کی حکمرانی کے لئے ولایت مطلقہ شرط ہے جو عورت میں بوجہ نقصان عقل و دین کے نہیں پائی جاتی جب کہ قضا کے لئے صرف اہل شہادت ہونا شرط ہے۔ اس لئے امامت کبریٰ کو قضا پر قیاس کرنا غلط ہے۔ خلاصہ یہ کہ عورت کو وزیر اعظم کے منصب پر قائم کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ اس کا عزل واجب ہے۔

سانپ گزر چکا ہے لکیر پیٹنے سے فائدہ؟

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سانپ گزر چکا ہے، اب لکیر پیٹنے سے فائدہ؟ جو ہونا تھا، سو ہو چکا، اچھا ہوا یا برا ہوا اب علمائے کرام کا واویلا بعد از وقت ہے۔

ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اہل علم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کا صحیح مسئلہ لوگوں کو بتاتے رہیں، اور اگر کوئی غلط اور منکر رواج پائے تو اپنے امکان کی حد تک اس کے خلاف جہاد کریں۔ اور قوم کو اصلاح کی طرف متوجہ کریں کسی منکر کو دیکھ کر اس پر سکوت اختیار کر لینا ان کے لئے جائز نہیں۔ بلکہ اصول یہ ہے کہ جب دین کی ایک مسلمہ روایت سے انحراف کیا جا رہا ہو تو اہل علم پر کیا فرض عائد ہوتا ہے؟ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں غلط رسوم کے رائج ہونے کے اسباب پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اور بری رسوم کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کبھی وہ لوگ سردار ہوتے ہیں جن پر جزئی

رائیں غالب ہوتی ہیں اور مصالح کلیہ سے بعید ہوتے ہیں تو وہ درندوں کے سے کام کرنے لگتے ہیں......ان کی وجاہت اور دبدبہ کی وجہ سے کوئی ان کو برا نہیں کہہ سکتا۔اس کے بعد فاسق فاجر لوگ پیدا ہوتے ہیں وہ ان کی پیروی کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور ان اعمال کے پھیلانے میں بڑی کوشش کرتے ہیں اور پھر ایک قوم ایسی آتی ہے جن کے دلوں میں نہ اعمال صالحہ کا قوی میلان ہوتا ہے نہ اعمال فاسدہ کا پس اپنے رؤسا کی حالت دیکھ دیکھ کر ان میں بھی انہی امور کی آمادگی پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی ان کو نیک باتوں کا پتہ ہی نہیں چلتا اور ایسے خاندانوں کے آخر میں ایسے لوگ باقی رہا کرتے ہیں جن کی فطرتیں درست ہوتی ہیں۔ وہ ان سے میل جول نہیں رکھتے اور غصہ کی حالت میں خاموش رہتے ہیں پس ان کی خاموشی سے بری رسمیں قائم اور مستحکم ہو جاتی ہیں۔ کامل العقل لوگوں کا فرض ہے کہ حق کے پھیلانے میں وجاری کرنے میں اور باطل کے نابود کرنے میں پوری کوشش کریں اور بعض اوقات یہ بات بغیر جھگڑے اور لڑائیوں کے ممکن نہیں ہوتی۔ پس یہ لڑائی جھگڑے تمام نیک کاموں میں افضل شمار ہوں گے۔" (حجۃ اللہ البالغہ مترجم جلد ا ص ۱۰۰)

ایک خاتون کو اسلامی مملکت میں حکومت کی سربراہ بنانا بھی ایک بری رسم ہے لیکن جو لوگ حضرت شاہ صاحب کے بقول "مصالح کلیہ سے بعید ہیں۔" وہ اس پر فخر کر رہے ہیں کہ پاکستان پہلا اسلامی ملک ہے جس نے تاریخ میں ایک خاتون کو وزیر اعظم بنانے کا شرف حاصل کیا۔ اگر ان حضرات کی نظریں دور رس ہوتیں تو ان کو صاف نظر آتا کہ یہ امر پاکستان کے لئے لائق فخر نہیں بلکہ لائق شرم ہے کہ اس نے قرآن وحدیث کی تصریحات کے خلاف اور امت اسلامیہ کے اجماعی فیصلے کے علی الرغم اسلامی تاریخ کی ایک مسلمہ روایت کو توڑنے کی جرأت کی ہے، پاکستان میں اس بدعت سیئہ کی اختراع اور منکر بری رسم کا اجرا ملت اسلامیہ کا سر شرم سے جھکا دینے کے لئے کافی ہے۔ اس بدعت کو جاری کرنے والے گنہگار ہیں اس برائی کا ازالہ ملت اسلامیہ کا فرض ہے اور اس برائی کے خلاف جہاد حضرت شاہ صاحب کے بقول افضل ترین عبادت ہے۔

ونعوذ باللہ من الحور بعد الکورومن امارۃ السفہا والنساء والغلمان وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ سیدنا محمد النبی الامی والہ واصحبہ واتباعہ وبارک وسلم.